نہج البلاغہ شناسی:

سیرت خاتم الانبیاء نہج البلاغہ کی نظر سے

وصی جعفری

زمانہ قدیم سے تاریخ اور سیرت نگاری کا دستور قائم ہے۔ قدرے امتیاز کے ساتھ دونوں کی نوعیت تقریباً ایک ہی جیسی ہے۔ تاریخ ایک خاص زمانہ یا مخصوص قوم کے حالات قلم بند کرنے کا نام ہے۔[1] جب کہ سیرت میں کسی ایک شخص کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے حالات واطوار اور طرز زندگی کو ضبط تحریر میں لایا جاتا ہے۔ ''السیرۃ'' 'سار' سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں، عادت، طریقہ، طرز زندگی اور ہیئت۔[2]

سیرت کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی کہتے ہیں:

''محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے خاص غزوات کو مغازی او سیرت کہتے ہیں چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی'' کئی صدی تک یہی طریقہ رائج رہا چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں مثلاً، سیرت ابن ہشام'' سیرت ابن عائز...وغیرہ ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں، البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے سوا اور چیزیں بھی داخل کرلی گئیں۔[3]

آنحضرتؐ کے سب سے پہلے ''سیرت نگار'' امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام تھے۔ امیر المومنین سے بہتر پیامبر اکرم کی سیرت کو کون بیان کرسکتا ہے۔ کسی ذات کے حالات وکمالات بہتر سے بہتر انداز میں وہی بیان کرسکتا ہے جو اس کے ساتھ ہر چھوٹے بڑے مقام پر رہا ہو اور ہر طرح کے سوالات کرتا رہا۔ حضرت علی علیہ السلام نہ صرف یہ کہ رسول خدا کے چچازاد بھائی تھے اور ایک ہی گھر اور ایک ہی گود میں پرورش پائی تھی بلکہ تبلیغ اسلام میں ہر ہر قدم پر آپ کے ساتھ رہے۔ جب آنحضرت سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہوا تو اس سلسلہ میں بھی آپ ہی نے پیش قدمی کی۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''ان کانوا لیحبونان یجئی الاعرابی والطاری فیساله علیه السلام حتی

یسمعوا و کان لا یمربی ذلک شئی الاسالت عنه وحفظته (خطبه ۲۰۸)

''لوگ پسند کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدویا پردیسی آئے اور کچھ پوچھے تو ہم بھی سن لیں مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گذرتی تھی مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے حفظ رکھتا تھا۔''

اس لئے امیر المومنین نے سیرت پیغمبر اکرمؐ کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اگر چہ حضرت علی علیہ السلام کے علمی آثار کا بیشتر حصہ محفوظ نہ رہ سکا تاہم باقی رہ جانے والے علمی شہ پارے، خطبات، مکتوبات اور کلمات کی شکل میں ہیں اور ان کے مجموعہ کا نام ''نہج البلاغہ'' ہے۔ ''نہج البلاغۃ'' کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے خطبات ومکتوبات میں کہیں واضح طور پر اور کہیں اشارہ اور کنایہ کے پیرایہ میں، کہیں مستقل انداز میں اور کہیں ضمناً سیرت حضور اکرم ختمی مرتبت پہ روشنی ڈالی ہے۔ مندرجہ ذیل صفحات میں ہم اس سلسلے میں ایک تجزیہ پیش کرتے ہیں۔

قبل بعثت عرب کی حالت:

آنحضرتؐ کی بعثت سے قبل عرب کے حالات پہ امیر المومنینؑ نے اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

ارسله علی حین فترة من الرسل وطول هجعة من الامم و اعتزام من الفتن وانتشار من الامور وتلظ من الحروب والدین کا سفة النور... قددست منار الهدی وظهرت اعلام الودی۔'' (خطبه ۸۷)

ترجمہ: اللہ نے اپنے پیغمبر کو اس وقت بھیجا جب کہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور ساری امتیں مدت سے پڑی سو رہی تھیں، فتنے سر اٹھا رہے تھے، سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا، جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے، دنیا بے رونق ونور تھی... ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے ہلاکت وگمراہی کے پرچم کھلے ہوئے تھے۔''

اس صورت حال کی عکاسی یوں بھی فرمائی ہے:

''بعثه والناس ضلال فی حیرة وحاطبون فی فتنة قد استهو تهم الاهواه

استزلهم الكبريا واستخفت هم الجاهلية الجهلاء " (خطبه ۹۳)
ترجمہ: " خدا نے پیغمبر کو اس وقت بھیجا جب لوگ حیرت و پریشانی کے عالم میں گم کردہ راہ تھے، فتنوں میں ہاتھ مار رہے تھے، نفسانی خواہشوں نے انہیں بھٹکا دیا تھا اور غرور نے بہکا دیا تھا، بھرپور جاہلیت نے ان کی عقلیں کھودی تھیں۔"

جناب عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰؐ کے درمیانی وقفہ میں دین کی شکل مسخ کی جا چکی تھی۔ خالق کائنا کے بجائے سورج چاند، ستارے پرستش کے لائق سمجھے جانے لگے تھے اور دین قبیلوں اور خاندانوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ " قبیلہ حمیر جو یمن میں رہتا تھا آفتاب پرست تھا، کنانہ چناد کو پوجتے تھے۔ قبیلہ بنی تمیم او بران کی عبادت کرتا تھا۔ اسی طرح قیس شعری کی، قبیلہ اسد عطار کی اور لخم وجذام مشتری کی پرستش کرتے تھے۔"[۴]

جب حالات ایسے ہوں کہ نہ کوئی ہدایت کی سبیل ہو، نہ کوئی تزکیہ نفس کرانے والا ہو نہ کوئی عجز و انکسار کے فوائد وضروریات بتانے والا تو ایسی صورت میں ہر ذی فہم وذی شعور شخص جستجو تلاش اور کوشش ہوگی کہ کسی ایسے شجر علم وعمل کا سایہ نصیب ہو جائے جہاں خرافات زمانہ سے محفوظ رہ کر سکون حاصل ہو۔ چنانچہ خداوند عالم نے ایک بار پھر نوع بشر کی ہدایت کے لئے اپنے آخری پیغمبر ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث کیا جبکہ عالم یہ تھا کہ:

" فان الله سبحانه بعث محمد (ص) وليس احد من العرب يقرء كتابا ولايدعى نبوة"(خطبه: ۱۰۴)

نہ کوئی اس وقت مین (آسمانی) کتاب کا پڑھنے والا تھا اور نہ کوئی وحی نبوت کا دعویدار۔" اور جب یہ امین وحی الہٰی، عالم لوح محفوظ، علمبردار صلح وآشتی تہذیب وتمدن، دنیا میں آیا تو نہ اب لوگوں مین آپسی رقابتیں رہ سکیں نہ نفرتیں۔ بات بات میں شعلہ جنگ بھڑکانے والے سکھ چین سے گھروں میں زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کے تلواروں کی دھار ختم ہوتی نظر آئی۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"يسوقهم الى منجاتهم ... حتى اراهم منجاتهم وبواهم محلتهم فاستدارت رحاهم، واستقامت قناعتهم (خطبه : ۱۰۲)

'' آپ ان لوگوں کو نجات کی طرف لے جارہے تھے... یہاں تک کہ آپ نے انہیں نجات کی منزل دکھادی اور انہیں ان کے مرتبہ پر پہنچادیا چنانچہ ان کی چکی گھومنے لگی، ان کے نیزے کا خم جاتا رہا۔''

آنحضرت کا خاندان:

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام آنحضرت کی خاندانی شرافت ونسب کے بارے میں اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

اشهد ان محمد ا عبده ورسوله وسيد ه عباده كلما نسخ الله الخلق فوقتين جعله فى خيرهما، لم يسهم فيه عاهر ولاضرب فيه فاجر'' (خطبه ۲۱۲)

'' میں گواہی دیتاہوں کہ محمدؐ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور بندوں کے سیدوسردار ہیں، شروع سے انسانی نسل میں جہاں جہاں پر سے شاخیں الگ ہوگئیں ہر منزل میں وہ شاخ جس میں اللہ نے آپ کو قرار دیا تھا دوسری شاخوں سے بہتر ہی تھی، آپ کے نسب میں کسی بدکار کا ساجھا اور کسی فسق کی شرکت نہیں۔''

یقیناً وہ ذات والا صفات جسے خدانے اپنے آخری اور اہم نبی کی شکل میں مبعوث کیا، جس کی نبوت ایک لاکھ تیئس ہزار نوسوننانوے (۱۲۳۹۹۹) انبیاء ومرسلین کی ریاضت ومشقت اور تبلیغ کی ضامن ہو بھلا اس کے پاکیزگی نفس، شرافت خاندان، اور طہارت دارحام کے بارے میں کیا کمی ہوسکتی ہے۔ یقیناً وہ ذوات مقدسہ بھی پاک اور پاک طینت ہیں جن کی صلبوں سے نو پیغمبر اعظم وقتاً فوقتاً گذرتا رہا اور آخر میں صلب ''عبداللہ بن عبدالمطلب'' میں آکر بطن آمنہ بنت وہب'' میں منتقل ہوااور پھر شمع ہدایت بن کر مکہ کی گھٹا ٹوپ وادی میں علم کی ضیاء باری کرنے لگا۔

بعث کے بارے میں نہج البلاغہ کے ارشادات:

طلوع آفتاب رسالت کا وقت آیاتو خداوند عالم نے اپنے اس خاص نمائندے کو ہدایت بشریت کے لئے کچھ چیزیں بھی عطا فرمائیں، تاکہ تبلیغ اسلام کی دشوار گذار راہوں میں تشنگان ہدایت کو سیراب کرنے کے لئے معاون بن سکیں۔ اس کی طرف امیر المومنینؑ اس طرح اشارہ فرماتے ہیں:

''اشهد ان محمدا عبده ورسوله ارسله بالدين المشهور والعلم المانور،

والکتاب المسطور، والنور الساطع، والضیاء اللا مع والا مر الصادع، ازاحة للشبهات، واحتجاجابا لبینات وتحذیرا بالایات وتخویفات بالمثلات۔"(خطبہ ۲)
میں گواہی دیتاہوں کہ محمدؐ اس کے عبد اور رسول ہیں جنہیں شہرت یافتہ دین، منقول شدہ نشان، لکھی ہوئی کتاب، ضوفشاں نور، چمکتی ہوئی روشنی، اور فیصلہ کن امر کے ساتھ بھیجا گیا تا کہ شکوک وشبہات کا ازالہ کیاجائے اور دلائل (کے زور) سے حجت تمام کی جائے، آیتوں کے ذریعہ ڈرایا جائے اور عقوبتوں سے خوف زدہ کیاجائے۔"

" ابتعثه بالنور المضی ، والبرهان الجلی، والمنهاج البادی، والکتاب الهادی ، اسرته خیر اسره، شجرته خیره ، اغصانها مغتد له و ثمار ها متهد له"(خطبہ ۱۵۹)
"اللہ نے اپنے رسول کو چمکتے ہوئے نور، روشن دلیل، کھلی ہوئی راہ شریعت، اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا، ان کا قوم وقبیلہ اور شجر بہترین شجرہ ہے جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔"

بعثت کے نتائج:

بعثت سرکار دوعالم ختمی مرتبت سے ہر شیطان صفت اور اہلبیت نواز کے اوسان خطا ہونے لگے، دربار باطل پرستی میں صف ماتم بچھ گئی، ایوان کفر وضلالت سے نالہ وفریاد کی صدائیں بلند ہوتی نظر آئیں، "شیطان اعظم" بھی اپنی مایوسی وناامیدی پہ ڈاریں مارکر رونے لگا اور وحی کا نزول اس کے غم میں اضافہ کا سبب بن گیا۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ولقد سمعت انه الشیطان حین نزل الوحی علیه صلی الله علیه واله وسلم فقلت یا رسول الله فقال هذا الشیطان قد ایس من عبادة" (خطبہ ۱۹۰)
"جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ کیسی آواز ہے؟ آپ نے فرمایا ہے کہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہوگیا۔"

پیغمبر اکرم کے معجزے:

صداقت وحقانیت کے ثبوت کے لئے اللہ نے ہر نبی کو معجزہ عطا فرمایا ہے۔ وہ جناب موسیٰ

کا عصا ہو یا جناب عیسیٰ کا ید بیضا، حضرت داؤد کا لوہے کو ''موم'' کرنا ہو یا حضرت ابراہیم کا ''نار نمرودی'' کو گلزار بنا دینا۔ جیسا زمانہ اور جیسے حالات رہے ویسے معجزات انبیاء ومرسلین سے ظاہر ہوتے رہے۔ ہر دور میں جب اور جس معجزہ کی ضرورت ہوئی ویسا ہی پیش کیا گیا۔ چنانچہ اللہ نے ہمارے آخری نبیؐ کو بھی صاحب معجزات بنا کر بھیجا۔ چونکہ عرب میں اس وقت فصاحت وبلاغت کمال پر تھی جس کی وجہ سے عربوں میں یہ غرور پیدا ہوگیا تھا کہ ہمارے سوا سب گونگے ہیں اس لئے اللہ نے قرآن کو بطور معجزہ آنحضرت کو عطا فرمایا جس کے سامنے وہ سر بھی جھکنے پر مجبور ہوگئے جو کسی کی زبان کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اگر کفار نے نبوت کو چیلنج کیا تو آنحضرت چاند کے دو ٹکڑے کرتے نظر آئے۔ کبھی سنگ ریزوں نے ہاتھوں پر آکر تسبیح پڑھنی شروع کردی تو کبھی وحوش وطیور نے قدموں پر سجدہ کرکے آپ کے صاحب اعجاز ہونے کی گواہی دی۔ انہیں معجزات میں ایک معجزہ ہے تناور درخت کا اپنی جگہ سے جڑ کے ساتھ اکھڑ کے آپ کے پاس آنا۔ تفصیل یوں ہے کہ

کفار قریش آنحضرت کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے ابن عبداللہ! اگر آپ واقعی خدا کے فرستادہ ہیں تو ہم آپ پر اور آپ کے خدا پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اس تناور درخت کو حکم دیں کہ وہ اپنی جگہ سے آپ کے پاس آجائے چنانچہ ان کی فرمائش اور خدا ورسول پہ ایمان لانے کے وعدہ پہ آنحضرت نے اشارہ کیا تو درخت اپنی جگہ چھوڑ کر آپ کے قدموں میں آگیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اسی معجزہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قالوا تدعولنا هذه الشجره حتى تنقلع بعروقها و تقف بين يديک ...ثم قال صلى الله عليه وآله وسلم يا ايها الشجرة ان كنت تومين بالله واليوم الاخرو تعلمين انى رسو الله فانقلعى بعروقک... فوالذى بعثه بالحق لانقطعت بعروقها وجاء ت ولهاد وى شديد قصف كقصف أجنحة الطير حتى وقفت بين يدى رسول الله صلى اله عليه وآله وسلم۔(خطبه ۱۹۰)

''ان لوگوں (کفار قریش) نے کہا کہ آپ ہمارے لئے اس درخت کو پکاریں کہ یہ جڑ سمیت اکھڑ آئے اور آپ کے سامنے آکر ٹھہر جائے... آپ نے فرمایا اے درخت اگر تو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اپنی جڑ سمیت اُکھڑ آ... اس ذات کی

قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا وہ درخت جڑ سمیت اکھڑ آیا اور اس طرح آیا کہ اس سے سخت کھڑا کھڑاہٹ اور پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی سی آواز آتی تھی، یہاں تک کہ وہ لچکتا جھومتا ہوا رسول اللہؐ کے روبرو آکر ٹھہر گیا۔"

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں آنحضرت کی جدوجہد:

رسول کی بعثت کا مقصد نوع بشر کی ہدایت تھی یعنی انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا، تذکیۂ نفس کرنا، گمراہیوں سے دور کرنا، وغیرہ جیسا کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ارشاد ہوا ہے:

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مبین۔"(سورہ آل عمران - ۱۶۴)

"لقد من الله علی المومنین اذبعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مبین۔"

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام، اپنے لخت جگر امام حسن علیہ السلام کو وصیت تحریر کرتے ہوئے رسول اکرمؐ کی تبلیغ کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

اعلم یابنی ان احد الم ینبی عن الله کما ابنعنه الرسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فارض به رائد اوالی النجاة قائدا۔"(مکتوب۔ ۳۱)

"اے فرزند تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کسی ایک نے بھی اللہ سبحانہ کی تعلیم کو ایسا پیش نہیں کیا جیسا کہ رسول اللہؐ نے۔ لہذا ان کو بطیب خاطر اپنا پیشوا اور نجات کا رہبر مانو۔"

حضرت علی علیہ السلام کی اس وصیت کا تذکرہ "ابن ابی الحدید معتزلی" نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"وقال له ان احد الم یخبر عن الله تعالیٰ کما اخبر ناعنه نبینا صلی الله علیه وآله: وصدق علیه السلام فان التوراة والانجیل وغیرهما من کتب انبیاء بنی اسرائیل

لم یتضمن من الاثر الالهیة ماتضمنه القرآن خصوصاً فی الامر العباد فانه فی احد الکتابین مسکوت عنه وفی الاخرة مذکور ذکرا مضطربا۔"

"اور حضرت کا یہ قول کہ کسی نے بھی خدائی احکام وتعلیمات کو اس طرح متعارف نہیں کرایا جس طرح حضرت رسول اللہؐ نے، بے شک صحیح فرمایا ہے حضرت علی علیہ السلام نے اس لئے کہ توراۃ وانجیل اور اس کے علاوہ دوسری کتب سماوی انبیاء بنی اسرائیل پہ نازل ہوئیں اور یہ کتابیں امور الٰہیہ کو اس طرح واضح نہ کرسکیں جس طرح قرآن مجید نے واضح کیا، خصوصاً مسئلہ معاد پر جو اس کے قبل کی کتابوں میں تقریباً نہیں کے برابر تھا، اس میں اس کا تذکرہ بہت ہی بہتر انداز میں تحریر ہے۔"

ہجرت کے بارے میں:

حیات رسول اکرمؐ کا ایک اہم واقعہ ہجرت ہے جب کفار مکہ کی ایذارسانی منزل کمال پر پہنچ گئی اور شمع رسالت کو گل کرنے کی منظم سازش طے پا چکی اور وہ شب بھی آگئی جس میں کفار مکہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے تو آنحضرت نے بمطابق وحی الٰہی مکہ کو خیرآباد کہا اور مدینہ کی راہ لی۔ چنانچہ جناب امیرؑ فرماتے ہیں:

"وهجرت بطیبه (خطبه ۱۶۲)

غزوات پیغمبر:

ابھی آنحضرت کو مدینہ میں تشریف لائے صرف ایک ہی سال گزرا تھا کہ کفار ومشرکین کی جنگی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور رمضان ۲ھ میں اسلام وکفر کی پہلی جنگ "بدر" واقع ہوئی۔ اس کے بعد غزوات وسرایا کا گویا سلسلہ شروع ہوگیا اور رسول اکرم زندگی کے آخری برس تک کسی نہ کسی طرح سے کفار ومشرکین کی عداوت کا نشانہ بنتے رہے اور ان کی کوششوں کو ناکام کرنے کے لئے صحابہ کو تیار کرتے رہے۔ آنحضرت پہ واقع ہونے والے اس طرح کے مظالم کا تذکرہ امیر المومنے علیہ السلام یوں کرتے ہیں:

"نشهد ان محمدا عبده ورسوله خاض الی رضوان الله کل غمرة وتجوع فیه کل غضة وقد تلون له الادنون وتالب علیه الاقصون وخلعت الیه العرب

اعنتها وضربت الی محاربته بطون ورواحلها حتی انزلت بساحة عداوتها من ابعد الدار واسحق المزار۔" (خطبہ ۱۹۲)

ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اس کے عبد اور رسول ہیں جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ہر سختی میں پھاند پڑے اور جنہوں نے اس کے لئے غم وغصہ کے گھونٹ پئے، جن کے قریب والوں نے بھی مختلف رنگ بدلے اور دور والوں نے بھی ان کی دشمنی پر ایکا کرلیا اور عرب والے بھی ان کے خلاف بکٹٹ چڑھ دوڑے اور دور دراز جگہوں، دور افتادہ سرحدوں سے سواریوں کے پیٹ پر ایڑ لگاتے ہوئے آپ سے لڑنے کیلئے جمع ہوگئے اور عداوتوں کے (پشتبارے) (آپ کے صحن میں لا اتارے۔"

لیکن جب بھی میدان قتل گرم ہوا، سر دینے ، لینے کی باری آئی او اس میں فوج کے قدم پیچھے ہٹنے لگے تو حضور سرور کائنات نے یہاں بھی اہل بیت کو ترجیح دی اور دین اسلام کی حفاظت کے لئے انہیں سپر بناتے ہوئے دشمنوں کے سامنے پیش کردیا جیسے "احد" مین جناب حمزہ کو او رجنگ "موتہ" میں جناب جعفر کو۔ معاویہ بن ابی سفیان کے نام تحریر کردہ ایک مکتوب میں حضرت علی علیہ السلام نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وکان رسول الله صلی الله علیه وآله اذا احمر الباس واحجم الناس قدم اهلبیته فوقی بهم اصحابه حرا السیوف والامنه (مکتوب ۹)

اور رسالت مآب کا یہ طریقہ تھا کہ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے اور لوگوں کے قدم پیچھے ہٹنے لگتے تھے تو پیغمبر اپنے اہل بیت کو آگے بڑھادیتے اور یوں انہیں سینہ سپر بنا کر اصحاب کرام کو تیر وشمشیر کی ضرب سے بچا لیتے تھے۔"

اس کلام کی تشریح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید اس کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں: احمد الباس کلمة مستعاره ای اشدت الحرب حتی احمرت الارض من الدم۔" (۷)

"احمر الباس یہ کلمہ مستعار ہے یہ اس موقع پر کہا جاتا ہے جبکہ جنگ نے اتنی شدت سے اختیار کرلی ہو کہ میدان جنگ خون سے لالہ زار نظر آنے لگے۔"

ایسے موقع پر جبکہ میدان میں بکھری لاشیں، بہتے خون، تڑپتے سپاہی اچھے اچھے سورما کا حوصلہ

پست کردے اس موقع پر بھی آنحضرت کفر کے مقابلہ میں اسلام کا نمائندہ بنا کر اہلبیت ہی کو بھیجتے ہیں۔

سیرت پیغمبر: آپ کی عبادت:

عام انسان کی عبادت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ واجبات ادا کرنے پر جنت ملے گی، محرمات سے بچنے پر آخرت میں اس کا اچھا صلہ ملے گا۔ دین کی راہ میں جان، مال حاضر کردو خدا اس کے بدلہ میں بہتر جگہ اور اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا، گویا جو عمل بھی انجام دیا جاتا ہے وہ یا جنت کے شوق یا جہنم کے خوف میں۔ رسول وہی کام صرف خوشنودیٔ معبود کے لئے کرتے ہیں ورنہ قاسم جنت وجہنم کو سجدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وکان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم نصبابالصلوٰة بعد التبشیرله بالجنة لقول الله سبحانه، وأمراهلک بالصلوٰة واصطبرعلیها، فکان یامربها اهله ویصبر علیها نفسه" (خطبہ ۱۹۷)

اور رسول اللہ باوجودیکہ انہیں جنت کی بشارت دی جاچکی تھی (بکثرت) نماز پڑھنے سے اپنے کوزحمت وتعب میں ڈالتے تھے، چونکہ انہیں اللہ کا ارشاد تھا کہ "اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو۔" چنانچہ حضرت اپنے گھر والوں کو خصوصیت کے ساتھ نماز کی تاکید بھی فرماتے تھے اور خود بھی اس کی کثرت سے بجا آوری میں مشقت برداشت کرتے تھے۔"

بنابریں قرآن مجید کو بھی کثرت عبادت دیکھ کر گویا ہونا پڑا۔ ارشاد ہوا:

"یاایها المزمل قم الیل الاقلیلا۔(سورۂ مزمل)

پیغمبر کا صبر:

صبر ائمہ، اوصیاء اور انبیاء ومرسلین کا خاص شعار رہا ہے۔ کار ہدایت ایک سنگلاخ وادی ہے جسے صبر کے بغیر عبور کیا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ دشواریاں آنحضرت کے سامنے بھی تھیں بلکہ ہر نبی سے زیادہ تھی۔ اسی لئے آپ کو صبر بھی سب سے زیادہ کرنا پڑا، پتھر کھانا پڑے کانٹوں پر چلنا پڑا اور کئی کئی دن کے فاقے بھی برداشت کرنا پڑے۔ حضرت علی علیہ السلام اس سلسلے میں رطب اللسان ہیں:

"ولقد کان فی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم مایدلک علی مساوی

الدنیا وعیوبها اذجاع فیها مع خاصة (خطبہ۔ ۱۵۸)
'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالت میں ایسی باتیں ہیں کہ جو تمہیں دنیا کے مظالم وقبائح کا پتہ دیتی ہیں جیسا کہ آپ اپنے خاص خاص اعزا واحباب کے ساتھ بھوکے رہا کرتے تھے۔''

طرز زندگی:

الٰہی نمائندہ اور عوامی رہبر میں یہ فرق ہوتا ہے کہ الٰہی نمائندہ کروفر سے اجتناب کرتا ہے۔ اس کا لباس معمولی، طریقہ رہائش عوامی ہوا کرتا ہے جبکہ اس کے برعکس عوامی نمائندہ کا یہ حال ہوکرتا ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد حکومت کے خزانہ کا رخ بدل جاتا ہے۔حقوق العباد ذاتی مصارف پہ قربان ہوجاتے ہیں۔ بیت المال ذاتی ملکیت ہوجایا کرتا ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"لقد کان صلی الله علیه وسلم یاکل علی الارض ویجلس جلسة العبد یخصف بیده نعله ویرقع بیده ثوبه ویرکب الحمار العاری۔"(خطبہ ۱۵۸)

اور رسول خدا تو زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے، غلاموں کی طرح بیٹھے تھے اور اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے، بے پالاں جانور پہ سواری کرتے تھے۔''

کاش یہ سادگی، مساوات محنت کی عزت اور اپنے کام خود کرنے کی عادت امت مسلمہ میں بھی پائی جاتی۔

آنحضرت کی عدالت شرعی احکام کی تعمیل:

کوئی بھی نظام جزاء وسزا کے تصور کے بغیر باقی نہیں رہ سکتا۔ مجرم کو اس کے کئے کی سزا اور اچھے کام کرنے والے کو اس کی جزاء دئے بغیر صالح نظام کے معرض وجود میں آنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ حضور اکرمؐ بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا کلمہ پڑھنے والا آخرت کی اذیتوں اور دردناک عذاب کا سامنا کرے۔لہذا ایسے گناہگاروں پر حد جاری فرما کر انہیں پاک کردیا کرتے تھے مگر حد جاری کرنے میں ایک پیغام بھی رہتا تھا کہ ''برائی سے نفرت کرو برے لوگوں سے نہیں، گناہ سے نفرت کرو گناہگاروں سے نہیں''۔ اسی لئے آنحضرت ''زانی'' کو سنگ سار کرنے کے بعد اسکے

جنازہ پر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں:

وقد علمتم ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم رجم الزانى المحصن ثم صلى الله عليه ثم ورثه اهله وقتل القاتل وورث ميراثه اهله وقطع السارق وجلد الزانى غير المحصن ثم قسم عليهما من الفي ونكحا المسلمات فاخذ هم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بزنوبهم واقام حق الله فيهم ولم يمنعهم سهمهم من الاسلام ولم يخرج اسماء هم من بين اهله۔(اهله ۱۲۵)

''اورتم لوگ جانتے ہو کہ رسول اللہ نے جب زانی کو سنگ سار کیا تو اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی ور اس کے وارثوں کو اس کاورثہ بھی دلوایا اور قاتل سے قصاص لیا تو اس کی میراث اس کے گھروالوں کو دلائی ، چور کے ہاتھ کاٹے اور زنائے غیر محصنہ کے مرتکب کو تازیانے لگوائے تو اس کے ساتھ انہیں مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا اور انہوں نے مسلمان عورتوں سے نکاح بھی کئے اس طرح رسول اللہ نے ان کے گناہوں کی سزا ان کو دی اور جو ان کے بارے میں اللہ کا حق (حد شرعی) تھا اسے جاری کیا مگر انہیں اسلام کے حق سے محروم نہیں کیا اور نہ اہل اسلام سے ان کے نام خارج کئے۔''

پیغمبر اکرمؐ کی خصوصیات:

امیر المومنین نے آنحضرت کو 'طبیب' کے عنوان سے یاد فرمایا ہے۔ مرض دو طرح کے ہوتے ہیں۔(۱) روحانی (۲) جسمانی ۔ روحانی امراض کا علاج وہ کرسکتا ہے جسے خدا نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہو یا انبیاء نے اسے اپنا وصی وجانشین منتخب کیا ہو یا پھر وہ اقوال وافعال انبیاء واوصیاء کی تأسی کرتے ہوئے علم کی منزل تک پہنچا ہو۔ آنحضرت کے بارے میں مولاعلیؑ فرماتے ہیں:

''طبيب دوارابطبه'' (خطبه ۱۰۶)

وہ ایک طبیب تھے جو اپنی حکمت کو لئے چکر لگا رہا ہو۔''

دوسری صفت جس کا خاص طور پر نہج البلاغہ میں ذکر ملتا ہے وہ ''مخبر صادق' کی حیثیت ہے۔ انبیاء و مرسلین کے جملہ اوصاف میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ نہ صرف گذشتہ باتوں کی خبر

دیتے ہیں بلکہ آئندہ رونما ہونے والے واقعات اور پیش آنے والے حالات کی اطلاع بھی دیتے ہیں۔ یہ الٰہی صاحبان مناصب کی ایک خاص صفت ہے جس سے ان کی حقانیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ رسول خداؐ نے بھی اہل بیت واصحاب کے درمیان کبھی اشارتاً اور کبھی صریحاً واقع ہونے والے واقعات وحادثات کی پیشین گوئی کردی تھی۔ چنانچہ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"والذی بعثه بالحق واصطفاه علی الخلق ما انطق الا صادقا وقد عهد الیٔ بذالک کله وبمهل من یهلک ومنجی من ینجو ومال هذا الامر۔ (خطبه ۱۷۳)

" اس ذات کی قسم جس نے پیغمبر کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ساری مخلوقات میں ان کو منتخب فرمایا میں جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام چیزوں کو ہلاک ہونے والوں کی ہلاکت اور نجات پانے والوں کی نجات اور اس امر (خلافت) کی خبر دی ہے"

ایک اور خصوصیت: ذات رسول باعث امان

ہمارے نبی سے پہلے تاریخ یہ رہی ہے کہ نبی کی موجودگی ہی میں امت پر عذاب نازل ہوجاتا تھا اب وہ عذاب چاہے نبی کی بددعا یا خدا کے غضب کا نتیجہ رہا ہو۔ لیکن آخری نبی کی ولادت پر سعادت کے بعد ان کی برکتوں سے یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور خالق کائنات نے اپنے آخری نبی پہ "وحی" بھیجی۔

"وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم (سوره انفال)

اسی حقیقت کو امیر المومنین علیہ السلام اس طرح بیان فرماتے ہیں:

" کان فی الارض امانان من عذاب الله وقد رفع احدهما... اما الامان الذی رفع فهو رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم۔(کلمات قصار ۔ ۸۸)

"دنیا میں عذاب خدا سے دو چیزیں باعث امان تھیں ایک ان میں سے اٹھ گئی... وہ امان جو اٹھائی گئی وہ رسولؐ تھے۔"

رحلت آنحضرت:

اسلام کو "اکملت" کی سند مل گئی، قرآن مکمل ہوگیا، خداوند عالم اس دین اسلام سے

راضی ہوگیا گویا وہ کام جو دیگر انبیاء اپنی صدسالہ وہزار سالہ حیات میں نہ کرسکے تھے اسے ہمارے رسول نے صرف ۶۳ سالہ مختصری زندگی میں انجام دے دیا اور اس کے بعد محبوب نے اپنے حبیب کو اپنے پاس بلالیا۔ نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ وحی الٰہی کا دروازہ بند ہوگیا، لیکن احباء واقرباء کے لئے غم دوراں نے راہیں تنگ کردیں۔ سوزوگداز نے بڑھ بڑھ کر انہیں گلے لگانا شروع کردیا۔ چنانچہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام آنحضرتؐ کو غسل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بابی انت وامی یا رسول الله لقد انقطع بموتک مالم ینقطع بموت غیرک من النبوة والانباء واخبار السماء... ولولا انک امرت بالصبر ونهیت عن الجزع لانفذنا علیک ماء الشؤن۔"

یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کی رحلت سے نبوت، خدائی احکام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ منقطع ہوگیا جو کسی اور نبی کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا۔... اگر آپ نے صبر کا حکم اور نالہ وفریاد سے روکا نہ ہوتا تو ہم آپ کے غم میں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کردیتے۔"

مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کا قلب کی گہرائیوں سے نکلا ہوا یہ قول اس بات کا غماز ہے کہ آپ آنحضرتؐ کو صرف بھائی اور خسر کی حیثیت سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ آپ کے پیش نظر ان کی عزت وعظمت بحیثیت نبی آخر، صاحب وحی، فرستادہ الٰہی تھی۔ اگر آپ ذاتی رشتہ وقرابت کی بنیاد پر ان کا غم مناتے اور ان کی رحلت پر سوگوار ہوتے تو یقیناً اس موقع پر یہ فرماسکتے تھے کہ... "آپ کی رحلت کے بعد میں منزل امتحان میں آگیا، مجھے طرح طرح کے مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑرہا ہے"... لیکن اس موقع پر آپ دکھ درد کا اظہار نہ فرماکے اپنی طرف سے پوری امت کی تکلیف اور غم والم کا اظہار کررہے ہیں۔ کسی بھی قوم وملت کے لئے اس سے بڑھ کر دکھ درد کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ اسے منزل نجات تک لے جانے والا اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لے اور راہی ملک بقاء ہوجائے۔

نبی آخر کی رحلت کا غم حضرت علی علیہ السلام کو اس قدر ہے کہ اگر آنحضرتؐ نے آپ کو صبر کا حکم نہ دیا ہوتا تو اس قدر روتے کہ فراق یوسف میں گریۂ یعقوبؑ پھیکا پڑجاتا جس کی طرف آپ نے اشارہ بھی کیا ہے کہ... لانفذنا ماء الشؤن... ہم آپ کے غم میں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم

کردیتے۔ لیکن حضرت علی اپنے تیز رفتار آنسوؤں کو دیوار صبر سے روکتے ہوئے خود حکم نبی پہ عمل کررہے ہیں اور امت مسلمہ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے سنت نبوی کی دعوت دے رہے ہیں، لیکن اپنی بے تابی و بے قراری کا اظہار بھی آنحضرت کی تدفین کے وقت نزدلحد ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ان الصبر جميل الاعنک وان الجزع قبيح الاعليک وان المصاب بک لجليل وانه قبلک وبدک لجل (کلمات قسار ۲۹۲)

'صبر عموماً اچھی چیز ہے سوائے آپ کے غم کے اور بیتابی وبیقراری عموماً بری چیز ہے سوائے آپ کی وفات کے۔ آپ کی موت کا صدمہ عظیم اور آپ سے پہلے اور بعد آنے والی ہر مصیبت سبک ہے۔''

سیرت پیغمبر اور ہمارا فرض:

مخبر صادق، رہبر کامل حضرت محمد مصطفیٰؐ کی رحلت کو چودہ سو سال سے بھی زائد ہوگئے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی موجودگی میں جو امت مسلمہ ان کے اشاروں پر چل کر پروانہ جنت حاصل کررہی تھی ان کی یہ رحلت کے بعد کیا کرے؟ کن اصولوں پر کاربند رہے؟

نہج البلاغہ میں امیر المومنین نے تاکید کی ہے کہ ہمارا فرض نہ فقط ولای پیغمبر بلکہ اتباع اور پیروی پیغمبر ہے۔ پیغمبر کی حیثیت نمونہ عمل اور 'اسوہ' کی ہے۔ اس سلسلہ میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

''ولقد كان فی رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم كاف لک فی الاسوه (خطبه ۱۵۸)

''تمہارے لئے رسول اللہؐ کا قول وعمل پیروی کے لئے کافی ہے۔''

ہنگامہ شہادت جب حضرت امیرؑ نے اولاد و حاضرین کو وصیتیں کیں، اس وقت بھی فرمایا:

اما وصيتی فا لله لاتشرکو به شيئا ومحمد صلی الله عليه وآله وسلم فلا تضيعوا سنة ۔، اقيموا هذين العمودين واوقدوا هذين المصباحين وخلاکم ذم مالم تشردوا۔''(خطبه ۱۴۷)

'' ہاں میری وصیت یہ ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور محمدؐ کی سنت کو ضائع و برباد نہ

کرو۔ان دونوں ستونوں کو قائم و برقرار رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کئے رہو جب تک کہ منتشر و پراگندہ نہیں ہوتے تم میں کوئی برائی نہیں آئے گی۔'' دوسری جگہ اس طرح فرمایا ہے:

''فتاسی متاس بنبیه واقتص اثره ولج مولجه والافلایامن الهکه'' (خطبه ۱۵۸)

''پیروی کرنے والے کو چاہئے کہ ان کی پیروی کرے اور ان کے نشان قدم پہ چلے اور انہیں کی منزل میں آئے ورنہ ہلاکت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔''

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام بتانا چاہتے ہیں کہ نجات کا ذریعہ صرف اور صرف اقرار الوہیت اور اتباع سنت ہے۔ اس راہ سے جس نے بھی روگردانی کی اسے نجات نہیں مل سکتی، اور یقیناً جو شخص بھی صدق دل سے اتباع سنت کرے گا اس کے لئے اصول وفروغ کے دروازے خود ہی وا ہوتے جائیں گے اور منزل نجات اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے دست بستہ سامنے کھڑی ہوگی۔

امیر المومنین نے حضرت رسول خداؐ پر صلوات اور درود کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ کے رسول پر درود کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ رسول پر درود اس کا سبب بنتا ہے کہ ہمارے اعمال بارگاہ احدیت میں قبول اور دعائیں مستجاب ہوں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اذا کانت الک الی اللہ سبحانه حاجة ابد ابساله ''الصلاة علی رسول صلی اللہ علیه وسلم ثم سل حاجتک فانّ اللہ اکرم من ان یسال حاجتیں فیقضی احد اهما ویمنع الاخری۔''(کلمات قصار ۳۶۱)

'' جب اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرو تو پہلے رسول اللہؐ وسلم پر درود بھیجو پھر اپنی حاجت مانگو کیونکہ خداوند عالم اس سے بلند تر ہے اس سے دو حاجتیں طلب کی جائیں اور وہ پہلی حاجت پوری کرے اور دوسری روک لے۔''

یعنی خدا سے اگر کچھ مانگ رہے ہو اس کے سامنے دست سوال بلند کر رہے ہو تو آنحضرتؐ کے توسط سے سوال کرو، ان پر درود پڑھ کر اپنی دعائیں مانگو۔ درود بھی دعا ہی ہے اور جب انسان آنحضرت پہ درود پڑھ کر اپنی دعا مانگے گا تو یہ ممکن ہی نہیں اور عدل الٰہی کے خلاف ہے کہ بغیر کسی مصلحت کے ایک دعا تو قبول کرے اور دوسری رد۔ پہلی دعا مستجاب ہوگی تو دوسری دعا بھی سند قبولیت

پائے گی۔

پیغمبر اکرم اور اہل بیت کی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ جو راہ ولا میں دم توڑے، وہ شہید ہے۔ امیر المومنین کے لب ولہجہ میں ملاحظہ فرماتے ہیں:

من مات منکم علی فراشه وهو علی معرفة حق ربه وحق رسوله واهل بیته مات شهیدا ووقع اجره علی الله (خطبه ۱۵۸)

''تم میں سے جو شخص اللہ، اس کے رسول اور ان کے اہل بیت کے حق کو پہچانتے ہوئے بستر پر بھی دم توڑ دے تو وہ شہید مرتا ہے اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔''

نہج البلاغہ تمام وسیع الذہن افراد اور حقیقت شناس شخصیتوں کو دعوت فکر دیتی ہے اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ اس میں نہ صرف یہ کہ نبوت کے احوال ہیں بلکہ الوہیت کا تذکرہ، عدالت کی گفتگو، معاد کی کیفیت، حکومت کا طریقہ، معاشرت کا سلیقہ، زراعت کے اصول، ہمسایہ کے حقوق، حسن واخلاق کے فوائد ہر طرح کی چیزیں اس کے دامن میں موجود ہیں۔ گویا حضرت علی علیہ السلام نے کوزہ میں سمندر بھر دیا ہے۔ یہ اپنی اپنی جستجو، تلاش اور قسمت کی بات ہے کہ اس بحر خاک میں غوطہ لگا کر کون کتنے موتی نکالتا ہے۔

مآخذ:

۱۔ مسعودی: التنبیه والاشراف ص ۳

۲۔ مصباح اللغات باب 'ص'

۳۔ علامہ شبلی نعمانیؒ سیرۃ النبی ج ۱، ص ۸

۴۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج ۱۴، ص ۴۹، ۵۰

۵۔ تاریخ الامۃ ج ۲

۶۔ سیرۃ النبی، قبلی ج ۱، ص ۲۴۵

☆☆☆☆☆☆